Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:7 (1967)

صنعتی سرمائے اور عمارات پر زکوٰۃ

مولانا محمد طاسین

[ہمارے ہاں کے بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ صنعتوں میں لگے ہوئے مشینی سرمائے اور اسی طرح کرائے پر اٹھائی جانے والی عمارتوں میں لگے ہوئے سرمائے پر تجارتی سرمائے کی طرح زکوٰۃ فرض نہیں۔ پچھلے دنوں قاہرہ میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس ہوئی ہے، جس میں چالیس ممالک کے ایک سو سے زائد علماء اور شیوخ نے شرکت فرمائی۔ کانفرنس کی صدارت شیخ الازہر شیخ مامون نے فرمائی۔ کانفرنس نے متعدد قرار دادیں باتفاق رائے پاس کیں، جن میں قرار داد نمبر ۴ یہ ہے :-

"مکانات، کارخانہ جات، مشینوں، بحری اور ہوائی جہازوں وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں"

اس مضمون میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے ——— (مدیر)]

صنعت کاری اور کارخانہ داری کا جو نظام تاریخ کے صنعتی دور کے ساتھ وجود میں آیا ہے اور جو آج دولت کمانے کا ایک نہایت مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے، عہد رسالتؐ اور عہد صحابہؓ میں موجود نہ تھا۔ اسی طرح وہ بعد کے ان زمانوں میں بھی موجود نہ تھا، جب کہ فقہ اسلامی کی تدوین عمل میں آئی اور اس نے اپنے ارتقاء کے مختلف مراحل اور مدارج طے کئے، لہذا قرآن مجید، حدیث اور فقہ میں جزوی صراحت کے ساتھ کوئی ایسا حکم نہیں ملتا جس سے صنعتی سرمائے پر زکوٰۃ عائد ہونے نہ ہونے کا علم ہو سکتا ہو، اسی طرح آج یہ جو لاکھوں کے سرمائے سے اہم مقامات پر عالی شان "بلڈنگیں" بنانے اور ان کو بڑے بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرایوں پر چلاتے کا جو نہایت منفعت بخش معاشی کاروبار ہے اپنی موجودہ شکل میں وہ پہلے کبھی موجود نہ تھا۔ عہد رسالت میں تو سرے سے اس قسم کی عمارتیں بنانے کی اجازت ہی نہ تھی چہ جائیکہ ان کو کرائے پر چلانے کا کاروبار ہوتا، بعد کے زمانوں میں البتہ اس کا کچھ نشان ملتا ہے لیکن اس کی نوعیت باقاعدہ کاروبار کی نہ تھی جیسی کہ آج ہے، اتفاق سے کسی کو کوئی زائد مکان مل جاتا مثلاً وراثت وغیرہ کی راہ سے اس کے پاس آجاتا تو وہ اسے کرائے پر اٹھا دیتا اور اس کی آمدنی سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا، مطلب یہ کہ اپنی فاضل دولت کو بڑھانے کی غرض سے یہ کاروبار نہ تھا، لہٰذا اس کی موجودہ شکل کے متعلق فقہ اسلامی میں کوئی جزوی اور صریح حکم نہیں ملتا، جس سے اس قسم کی جائداد میں لگے ہوئے سرمائے کے متعلق معلوم ہو سکے کہ اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے یا نہیں، البتہ فقہ اسلامی میں ایسے اصولی تصورات ضرور ملتے ہیں جن سے اس قسم کے نئے نئے جزوی مسائل کے لئے جزوی احکام مستنبط اور اخذ کئے جا سکتے ہیں، لہٰذا ہم ذیل میں اسی قسم کے کچھ اصولی تصوّرات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ کسی مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال حوائجِ اصلیہ سے فاضل اور نامی ہو، یعنی ایک غنی مسلمان کے ہر اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے جو اس کے حوائجِ اصلیہ سے زائد اور نامی ہو۔ یہ ایک اصولی تصوّر ہے۔ لیکن اس کا صحیح مطلب اس وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب لفظ حوائجِ اصلیہ اور لفظ نامی کا اصطلاحی مفہوم و مطلب واضح طور پر سامنے ہو، لہٰذا ان دو لفظوں کا فقہی مفہوم و مطلب واضح کیا جاتا ہے۔

حوائجِ اصلیہ فقہاء نے حوائجِ اصلیہ کی تعریف جن الفاظ میں کی ہے، وہ یہ ہیں:

هِيَ الَّتِيْ مَا يَدْفَعُ الْهَلَاكَ عَنِ الْإِنْسَانِ تَحْقِيْقًا أَوْ تَقْدِيْرًا۔ حوائجِ اصلیہ وہ چیزیں ہیں، جو انسان کو ہلاکت سے بچاتی ہیں تحقیقاً یا تقدیراً، تحقیقاً کی تشریح میں لکھا ہے جیسے سامانِ غذا اور خوراک، مختلف موسموں کے لحاظ سے لباس و پوشاک، رہائشی مکان اور اس کا فرنیچر، استعمالی اسلحہ، سواری کے جانور، خدمت کے غلام، علماء کی کتابیں اور ارباب ہنر و پیشہ کے وہ اوزار اور آلات جن کے ساتھ وہ کام کرتے اور روزی کماتے ہیں، تقدیراً کی توضیح میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ رقمیں ہیں، جو قرضوں کی ادائیگی کے لئے محفوظ ہوں کیونکہ وہ انسان کو قید و بند سے بچاتی ہیں جو ایک طرح کی ہلاکت ہے۔

فقہ حنفی کی مختلف کتابوں میں حوائجِ اصلیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک حوائجِ اصلیہ میں ایک تو وہ چیزیں داخل ہیں جو براہِ راست

ذاتی استعمال میں آتی ہیں۔ عام ہے کہ وہ ضرورت کے درجہ کی ہوں یا آسائش اور زیب و زینت کے درجہ کی ،
دوسری وہ چیزیں داخل ہیں جو پہلی قسم کی چیزوں کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہوں یعنی وہ معاشی ذرائع اور وسائل جن پر ذاتی استعمال کی چیزوں کے حاصل ہونے کا دار و مدار ہو۔ عام ہے کہ وہ زمین کی شکل میں ہوں یا مکان کی شکل میں، جانوروں کی شکل میں ہوں یا مشینوں وغیرہ کی شکل میں۔ مثلاً ایک کاشت کار کا وہ رقبۂ زمین جس میں وہ کاشت کرتا نیز وہ آلات و اوزار جن کے ساتھ وہ کاشت کاری کے مختلف کام سر انجام دیتا ہے، حوائجِ اصلیہ میں داخل ہیں جیسے ہل بیل وغیرہ اور موجودہ مشینی دور میں ٹریکٹر وغیرہ۔ لیکن ایک زرعی فارم کا سرمایہ حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں جسے کسی سرمایہ دار نے ایک وسیع رقبہ زمین میں لاکھوں کے خرچہ کے ساتھ قائم کیا ہو اور زرعی ماہرین اور مزدوروں کی مدد سے وہ اس کو چلاتا ہو اور اس سے اس کا اصل مقصد اپنے فاضل سرمائے کو بڑھانا اور اپنی تونگری اور دولت مندی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا ہو۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اس کے رہائشی مکان کے علاوہ اتفاق سے کوئی اور مکان ہے اور وہ اسے کرائے پر دے کر اس کی آمدنی سے گزر بسر کرتا ہے یعنی اس سے اس کا مقصود اپنے فاضل مال میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ ذاتی استعمال کی چیزیں حاصل کرنا ہے تو ایسا مکان حوائجِ اصلیہ میں داخل ہے، لیکن ایک ایسا مکان جسے کوئی غنی سرمایہ دار اس غرض سے تعمیر کرتا ہے، اور کرائے پر چلاتا ہے کہ اس کی فاضل دولت میں مزید اضافہ ہو تو وہ حوائجِ اصلیہ کے تحت نہیں آتا۔

علیٰ ہذا القیاس پیشہ وروں اور کاری گروں کے آلات و اوزار اور مشینیں جن کے ساتھ وہ کام کر کے روزی کماتے اور سامانِ زیست حاصل کرتے ہیں، خواہ وہ کتنی ہی قیمت کے کیوں نہ ہوں، حوائجِ اصلیہ میں داخل ہیں اور ان میں لگے ہوئے سرمائے پر زکوٰۃ نہیں، مثلاً ایک شخص کے پاس ایک ٹرک یا بس یا لانچ کشتی ہے اور وہ اسے خود چلاتا اور اس کی آمدنی پر گزارا کرتا ہے تو وہ بلا شبہ حوائجِ اصلیہ میں داخل ہے، لیکن وہ آلات اور مشینیں حوائجِ اصلیہ میں کسی طرح داخل نہیں جن سے غرض اور مقصود اپنی فاضل دولت کو بڑھانا اور غنا اور تموّل میں اضافہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ ذاتی استعمال کے لئے سامانِ معاش حاصل کرنا، گویا اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیزیں براہ راست انسان کے ذاتی استعمال میں آتی ہوں اور جو چیزیں ذاتی استعمال کی چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہوں حوائجِ اصلیہ میں داخل ہیں، اور ان پر زکوٰۃ نہیں۔

نامی | حوائجِ اصلیہ کے اصطلاحی معنے اور فقہی مفہوم کی توضیح و تشریح کے بعد آپ لفظ نامی کو لیجئے، نامی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصدر النماء ہے جس کے لغوی معنے زیادتی اور بڑھوتری کے ہیں۔ حیوانات اور نباتات کے اجزائے اصلیہ میں جو بڑھوتری ہوتی ہے اسی کا نام النماء اور النمو ہے، لہٰذا حقیقی معنے کر کے نامی صرف حیوانات اور نباتات ہیں، لیکن فقہا باب الزکاۃ میں جب کسی مال کو نامی کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد اس کا لغوی اور حقیقی معنیٰ نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص اصطلاحی معنیٰ مراد ہوتا ہے۔ اس بارے میں ہم فقہ حنفی کی نہایت مستند اور مشہور کتاب بدائع الصنائع کی عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں، جو انھوں نے زکاۃ کی شرائط کے سلسلہ میں تحریر فرمائی ہے:-

منها كون المال نامیا لان معنى الزكوٰة وهو النماء لايحصل الامن المال النامی ولسنا نعني به حقيقة النماء لان ذالك غير معتبر وانما نعني به كون المال معدًّا للاستنماء بالتجارة او بالاسامة لان الاسامة سبب لحصول الدر والنسل والسمن والتجارة سبب لحصول الربح فيقام السبب مقام المسبب وتعلق الحكم به ۔ ج ۲ ص۱۱	کسی مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ کہ وہ مال نامی ہو کیونکہ زکوٰۃ کے معنے دراصل نما کے ہیں اور وہ حاصل نہیں ہوتے مگر نامی مال سے، اور نامی سے ہماری مراد اس کے حقیقی معنے نہیں کیونکہ ان کا اعتبار نہیں، نامی سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ مال کا تیار شدہ ہونا بڑھوتری کے لئے، تجارت کے ذریعے یا اسامۃ (چرائی) کے ذریعے، کیونکہ اسامۃ، مویشیوں سے دودھ، نسل اور فربہی حاصل ہونے کا سبب ہے اور تجارت حصول منافع کا سبب، پس سبب کو مسبب یعنی نماء کے قائم مقام کر کے حکم کو اس سے متعلق کر دیا گیا ہے یعنی زکوٰۃ کے وجوب کو مجازاً اسامۃ اور تجارت سے وابستہ کر دیا گیا ہے

مذکورہ عبارت میں دو باتیں خاص طور پر قابل لحاظ اور قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ نامی سے مراد اس کے حقیقی معنے نہیں بلکہ اصطلاحی معنے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ فقہاء ان تمام اموال کو نامی کہتے ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے حالانکہ ان میں کئی اموال ایسے ہیں جن میں کبھی بھی حقیقی نما نہیں پائی جاتی، مثلاً جمادات اور نباتات سے حاصل شدہ مختلف اجناس اور اشیاء جو تجارت کے لئے ہوں ان کو اور ہر حال میں سونے چاندی کو نامی کہا جاتا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ان میں کبھی بھی حقیقی نشو و نما واقعہ نہیں ہوتی لہٰذا ان کو نامی کہنا جب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب نامی سے مراد اس کے حقیقی معنے نہ ہوں بلکہ ایسے اصطلاحی معنے ہوں جو اموال زکوٰۃ کی تمام قسموں پر صادق آسکتے ہوں چنانچہ انھوں نے نامی کی جو اصطلاحی تعریف کی ہے، وہ سب پر صادق آتی ہے۔ اُس تعریف کا مطلب

ہم اپنے لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ جس مال کو کسی ایسے معاشی طریقے سے متعلق کر دیا گیا ہو جس طریقے سے عام طور پر مال میں زیادتی واقع ہوتی اور مالک کو نفع پہنچتا ہے وہ مال نامی ہے۔ نامی کی اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مال کے نامی ہونے میں اس کی ذات کو دخل نہیں بلکہ انسانی ارادے اور عمل کو دخل ہے۔ جس چیز کو انسان نامی بنانا چاہے اپنے ارادے اور عمل سے بنا سکتا ہے مثلاً جس چیز کو وہ تجارت کے لئے مخصوص کر لے وہ نامی بن جاتی ہے۔ گویا فقہی اصطلاح میں نامی ہونا کسی چیز کی اپنی صفت نہیں بلکہ ایک عارضی صفت ہے۔

دوسری بات جو اس عبارت میں قابل غور اور توجہ ہے وہ یہ کہ حقیقۃً زکوٰۃ کا تعلق اُس نمو اور بڑھوتری سے ہے، جو مویشیوں میں بصورت دودھ گھی، نسل اور فربہی اور تجارتی اموال میں بصورتِ منافع ظاہر ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ نمو اور بڑھوتری اسامۃ اور تجارت کے سبب سے وجود میں آتی ہے لہذا مجازاً زکوٰۃ کا تعلق اسامۃ اور تجارت سے جوڑ دیا گیا ہے گویا یہ کہا گیا ہے کہ کسی مال پر زکوٰۃ عائد ہونے کا اصل سبب جو شارع کی نظر میں ہے وہ اس مال میں زیادتی کا رونما ہونا ہے نہ کہ وہ اسامۃ اور تجارت جو اس زیادتی کا موجب ہے۔ اس سے یہ گنجائش پیدا ہو گئی ہے کہ اگر مال میں زیادتی، اسامۃ اور تجارت کے علاوہ کسی اور کاروباری طریقہ سے واقعہ ہو جاتی ہے یعنی مثلاً کاروبار کا کوئی ایسا طریقہ ایجاد ہو جاتا ہے جس کے ذریعے اسامت اور تجارت کی طرح مال میں زیادتی اور بڑھوتری وجود میں آتی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ ضرور واجب ہوگی کیونکہ اس بارے میں اصل چیز نمو اور بڑھوتری ہے نہ کہ اس کے حصول کا کوئی خاص طریقہ۔

چنانچہ نامی کی اصطلاحی تعریف کی رُو سے ہر وہ مال نامی قرار پاتا ہے جسے کسی ایسے معاشی طریقے سے متعلق اور مخصوص کر دیا گیا ہو۔ جس سے عام طور پر مال میں زیادتی ہوتی اور مالک کو نمایاں نفع پہنچتا ہے، سائمہ جانور اس لئے نامی کہلاتے ہیں کہ وہ اسامۃ کے جس معاشی طریقے سے وابستہ ہوتے ہیں، اس سے عام طور پر ان میں نمو اور زیادتی ہوتی ہے اور مالک کو کھلے طور پر نفع پہنچتا ہے۔ اسی طرح تجارتی اموال اس وجہ سے نامی میں شمار ہوتے ہیں کہ وہ تجارت کے جس کاروباری طریقہ سے متعلق ہوتے ہیں، اس سے عام طور پر سرمائے میں اضافہ ہوتا اور مالک کو نفع پہنچتا ہے۔ علوفہ جانور نامی کی تعریف میں نہیں آتے اس لئے کہ ان کو تھان پر گھاس چارہ کھلا کر پالا جاتا اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے لہذا ان کے وجود سے مالک کو کوئی نفع نہیں پہنچتا مالک ان سے جو فائدہ اٹھاتا ہے اس کے عوض وہ ان کی خوراک وغیرہ پر خرچہ کرتا اور ان کی دیکھ بھال میں مشقت اٹھاتا ہے لہذا بلحاظ نتیجہ اس کو ان سے کوئی خاص نفع نہیں پہنچتا اور ان پر لگی ہوئی دولت میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اس میں کمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعہ ہوجاتی ہے، اسی طرح جو اشیاء تجارت کے لئے نہیں ہوتیں نامی کے تحت نہیں آتیں کیونکہ ان میں جو مال لگا ہوا ہوتا ہے اس میں نہ صرف یہ کہ کچھ زیادتی نہیں ہوتی بلکہ الٹی کمی ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے اگر وہ ذاتی استعمال میں آرہی ہوتی ہیں تو استعمال کی وجہ سے روز بروز ان کی قیمت گھٹتی جاتی ہے اور اگر یونہی بے کار پڑی ہوئی ہیں تو اس صورت میں بھی مسلسل بے کار پڑے رہنے اور پرانے ہوتے رہنے کی وجہ سے ان کی مالیت گرتی ہے بڑھتی نہیں۔

لفظ نامی کے اصطلاحی اور فقہی معنی کی اتنی وضاحت اس وجہ سے بھی کرنی پڑی کہ مجھے اندازہ ہوا کہ بعض اچھے خاصے علماء کرام تک کے ذہن میں بھی واضح نہیں اور غلطی اور عدم توجہی سے وہ اس کا لغوی معنی مراد لیتے ہیں۔

اموال تجارت اور زکوٰۃ

ہدایہ وغیرہ میں ہے، الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتھا نصابا من الورق او الذھب۔ سامانِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو۔ جب اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب تک پہنچ جائے، ذرا واضح الفاظ میں مطلب یہ کہ جو اشیاء تجارت کی غرض سے ہوں عام ہے کہ وہ زمین و مکان کی شکل میں ہوں یا جانوروں اور اجناس خوردنی کی شکل میں، جمادات اور مختلف دھاتوں کی شکل میں ہوں یا خشک نباتات اور ان سے بنے ہوئے مختلف ساز و سامان کی شکل میں، جب ان کی مالیت سونے چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور سال گزرنے پر ادا کرنی پڑتی ہے۔ دراصل یہ بھی زکوٰۃ کے باب میں ایک اصولی تصور ہے لیکن اس کا بھی صحیح مفہوم و مطلب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ لفظ تجارت کا مفہوم و معنی صاف طور پر سامنے نہ ہو۔

باب زکوٰۃ میں تجارت کا معنی مذکورہ عبارت میں عروض تجارت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کا صحیح معنی و مفہوم جب تک واضح طور پر معلوم نہ ہو بصیرت کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کون سی چیزیں عروض تجارت میں آتی ہیں اور کون سی نہیں آتیں۔ لہٰذا ذیل میں اس لفظ کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

مختلف کتابوں میں لفظ تجارت کے مفہوم و مطلب کے متعلق جو مختلف عبارتیں ملتی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ التجارۃ تقلیب المال لغرض الربح (تاج العروس) منافع کی غرض سے مال میں الٹ پھیر کرنا تجارت ہے۔

۲۔ التجارۃ التصرف فی رأس المال طلبا للربح (مفردات راغب) منافع کی خاطر سرمائے میں تصرف اور ردّ و بدل کرنا تجارت ہے۔

۳۔ التجارۃ ھی التصرف فی المال للربح (کشاف اصطلاحات الفنون) تجارت نام ہے نفع کے لئے مال میں تصرف کرنے کا۔

۴۔ التجارۃ عقد اکتساب المال (مبسوط السرخسی) تجارت اس معاملے کا نام ہے جو مال کمانے کے لئے ہو۔ یہ معنی قاضی ابو یوسف کی طرف منسوب ہے۔

۵۔ عقد التجارۃ ھو کسب المال بالمال بعقد شراء او اجارۃ او استقراض (در المختار) عقدِ تجارت نام ہے مال کے بدلے مال کمانے کا وہ خرید و فروخت کے ذریعے ہو یا اجارے کے ذریعے یا قرض لینے کے ذریعے۔

۶۔ التجارۃ ھی مبادلۃ مال بمال (کشاف اصطلاحات) تجارت کا مطلب ہے مال کا تبادلہ مال سے کرنا۔

۷۔ التجارۃ کسب المال ببدل ھو مال (بدائع الصنائع) مال کے بدلے میں مال کمانے کا نام تجارت ہے۔

۸۔ التجارۃ شراء شئی بالربح (دستور العلماء) کسی چیز کو خریدنا تاکہ نفع کے ساتھ فروخت کی جائے تجارت ہے۔

تجارت کی یہ جو چند تعریفیں نقل کی گئی ہیں ان کے مفہوم و مطلب میں عموم و خصوص کا اختلاف تو ضرور ہے لیکن ان کے مابین کوئی تباین اور تضاد بالکل نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ بعض کو صحیح ماننے سے دوسرے بعض کا غلط ہونا لازم آتا ہو اور ان سے ایک دوسرے کی نفی ہوتی ہو، پہلی، دوسری اور تیسری تعریف کا ماحصل ایک ہے، یعنی منافع کی خاطر سرمائے میں تصرف اور ردّو بدل کرنا۔ بعد کی تعریفوں کے مقابلہ میں یہ عام ہے یہ معاشی کاروبار کے ان تمام طریقوں پر صادق آتی ہے جن میں سرمایہ لگاکر منافع حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح چوتھی تعریف کا مطلب بھی عام ہے اس کی رو سے اکتساب مال کا ہر معاملہ تجارت ہے خواہ وہ مال کے بدلے میں ہو جیسا کہ بیع و شراء میں ہوتا ہے یا مال کے بدلے میں نہ ہو جیسا کہ ہبہ، وصیّت اور مہر وغیرہ میں ہوتا ہے۔ تجارت کا یہ چوتھا معنی قاضی ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ہے پانچواں معنی پہلے چار معنوں کی بہ نسبت کچھ خاص اور محدود ہے لیکن بعد والے معنوں کی بہ نسبت اس میں بھی قدرے عموم ہے کیونکہ یہ صرف بیع و شراء تک محدود نہیں جیسا کہ بعد والے معنے ہیں بلکہ یہ اجارہ اور استقراض کو بھی شامل ہے۔ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں تعریفوں کا مطلب ایک ہے۔ یعنی بیع و شراء، کیوں کہ کتب فقہ میں بیع کی جو تعریف ہے وہ بعینہٖ یہی ہے جو ان عبارتوں میں تجارت کی ہے یعنی مال کا مال سے تبادلہ۔

غور و فکر سے کام لیا جائے تو بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تجارت کا اصل مفہوم تو وہ ہے جو پہلی تین عبارتوں میں بیان ہوا ہے۔ لیکن عملی طور پر اس کی متعدد اور مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں جن میں سے بعض شکلیں وہ ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد کی تعریفوں میں بیان ہوئی ہیں گویا بعد کی تعریفیں تجارت کی نہیں بلکہ تجارت کی بعض عملی شکلوں کی تعریفیں ہیں جو کثیر الوقوع اور عرفی طور پر زیادہ مشہور و معروف ہیں. بہر حال بیع اور تجارت کا بعینہٖ ایک مفہوم نہیں بلکہ بیع خاص اور تجارت عام ہے. یعنی ہر بیع تو تجارت ہے لیکن ہر تجارت بیع نہیں. یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بیع کو تجارت پر عطف کیا گیا ہے جو ان کے درمیان مغایرت کی دلیل ہے. فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ. وہ ایسے لوگ ہیں جن کو نہ تجارت ذکر اللہ سے غافل کرتی ہے اور نہ بیع. چونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں ضرور مغائرت ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی معمولی درجہ کی کیوں نہ ہو. لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تجارت اور بیع دونوں بعینہٖ ایک چیز نہیں بلکہ ان کے مابین عام خاص مطلق کی نسبت ہے. تفسیر قرطبی میں آیت الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم کی تفسیر میں جہاں تجارت کے معنے بیع و شراء کے لکھے ہیں وہ یہ بھی لکھا ہے کہ كُلُّ مُعَاوَضَةٍ تِجَارَةٌ عَلٰى اَيِّ وَجْهٍ كَانَ الْعِوَضُ. ہر معاوضہ تجارت ہے وہ کسی وجہ سے بھی ہو.

یہاں پر اصل سوال یہ ہے کہ کتب فقہ کے ابواب الزکاۃ میں جو لفظ تجارت استعمال ہوا ہے اس کا معنی و مفہوم کیا ہے. کیا اس کا فقہاء کے نزدیک کوئی خاص اصطلاحی معنی و مفہوم ہے یا وہی معنی و مفہوم ہے، جو علمائے لغت نے لکھا ہے. اس بارے میں اللہ تعالیٰ اجزائے خیر دے صاحب کشاف اصطلاحات الفنون کو کہ انھوں نے نہایت واضح اور صریح الفاظ میں اس کا جواب دے دیا ہے فرمایا ہے. وفی کتاب الزکاۃ: التجارۃ هی التصرف فی المال للربح (ترجمہ) کتاب الزکاۃ میں تجارۃ کے معنی ہیں منافع کی خاطر مال میں تصرف کرنا. مبسوط السرخسی کتاب الزکوٰۃ میں بھی تین جگہ ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے تجارت کا یہی معنی سمجھ میں آتا ہے جو جو صاحب کشاف نے لکھا ہے. رہا یہ سوال کہ بعض فقہائے نے اپنی کتابوں میں تجارت کے معنے مبادلۃ مال بمال کے کیوں کئے ہیں تو اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ انھوں نے دراصل تجارت کی اس خاص شکل کی تعریف کی ہے جو مشہور و معروف اور کثیر الاستعمال ہے حتیٰ کہ تجارت کا لفظ سنتے ہی ذہن اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے. چنانچہ آگے چل کر یہی تعریف انھوں نے کتاب البیوع میں لفظ بیع کی بھی کی ہے.

تجارت کا مفہوم و معنی متعین ہو جانے کے بعد مذکورہ بالا اصولی تصور کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ ہر اس مال اور سرمایے پر واجب ہے جو منافع کی غرض سے تصرف میں لایا گیا ہو.

نیت تجارت فقہائے نے لکھا ہے کہ جہاں تک سونے چاندی کا تعلق ہے وہ چونکہ اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے

© rasailojaraid.com

تجارت کے لئے متعین ہیں لہذا ان کے مال تجارت ہونے کے لئے نیت تجارت کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کے علاوہ جو باقی چیزیں ہیں چونکہ ان میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں اور یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ تجارت کے لئے ہوں۔ لہذا ان کے مال تجارت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے متعلق صراحتہً یا دلالتہً تجارت کی نیت اور تجارت کا عمل بھی ہو۔ اس سلسلہ میں بدائع الصنائع کی ایک عبارت کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ عبارت جلد دوم میں صفحہ گیارہ پر ہے۔

"سونے اور چاندی کا تجارت کے لئے تیار ہونا اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے ثابت ہے۔ کیونکہ اپنی ذات کے لحاظ سے وہ صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ حوائج اصلیہ کو دور کرنے میں ان سے انتفاع کیا جائے پس انسان کی طرف سے نیت کے ساتھ ان کو تجارت کے لئے تیار کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ نیت تعیین کے لئے ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی بناوٹ وساخت کے لحاظ سے تجارت کے لئے متعین ہیں۔ لہذا نیت کے ذریعے تعیین کی حاجت نہیں پس ان پر زکوٰۃ ہر حال میں واجب ہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو۔ البتہ ان کے سوا جو دوسری چیزیں ہیں ان کو تجارت کے زمرہ میں لانے کے لئے تجارت کی نیت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ جس طرح تجارت کے لئے صلاحیت رکھتی ہیں اسی طرح ذاتی استعمال میں آنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہیں بلکہ ان سے اصل مقصود یہی ذاتی استعمال ہے لہذا تجارت کی تعیین انہیں ضروری ہے اور یہ تعیین نیت سے ہوگی اور تنہا نیت کا اعتبار نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ فعل تجارت نہ ہو۔"

غور سے دیکھا جائے تو اس عبارت میں ایک اصولی ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو چیزیں اپنی بناوٹ وساخت کے لحاظ سے ایسی ہوں کہ ذاتی استعمال کے لئے ہونے کا ان میں احتمال ہی موجود نہ ہو بلکہ وہ تجارتی کاروبار ہی کے لئے متعین ہوں، ان کو مالِ تجارت کے زمرہ میں لانے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں۔ اور جو چیزیں اپنی بناوٹ وساخت کے لحاظ سے ایسی ہوں جن میں ذاتی استعمال کے لئے ہونے کا بھی احتمال موجود ہو اور تجارت کے لئے ہونے کا بھی احتمال پایا جاتا ہو تو ان کو مال تجارت کے لئے متعین کرنے میں نیت تجارت ضروری ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فعل تجارت بھی ضروری ہے۔

مثلاً ایک شخص کے پاس کپڑے سینے کی ایک مشین ہے تو اس کے متعلق یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ذاتی استعمال کے لئے ہو اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ تجارت کے لئے ہو۔ لہذا تجارت کے لئے وہ اس وقت ہوگی جب مالک

© rasailojaraid.com

تجارت کا ارادہ اور عمل کرے۔ لیکن اس کے برخلاف کسی شخص کے پاس ایک فیکٹری یا مل کی مشینری ہے تو اس میں ظاہر ہے کہ ذاتی استعمال کے لئے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا وہ مذکورہ بالا اصولی ضابطہ کی رُو سے تجارت کے لئے متعیّن ہوگی۔

علیٰ ہذا القیاس کسی شخص کے پاس ایک ایسا مکان ہے جو ایک خاندان کی رہائش کے لئے ہو سکتا ہے تو اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ذاتی ضرورت اور استعمال کے لئے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تجارت کے لئے ہو۔ لیکن ایک دس منزلہ عمارت جس میں سینکڑوں فلیٹ اور کمرے ہوں اس کے متعلق ذاتی استعمال ہونے کا کوئی احتمال پیدا نہیں ہوتا بلکہ وُہ بغیر کسی اظہار کے تجارت کے لئے متعیّن ہے۔

سامان تجارت کے نقل و حمل کے جانور | فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جو سرمایہ تجارت کے لئے متعیّن ہو جیسے مثلاً مضاربت پر دیا ہوا سرمایہ۔ تو اس سے جو کچھ بھی خریدا جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ انھوں نے مثال کے طور پر لکھا ہے کہ مضاربت پر کام کرنے والا مال مضاربت سے کچھ تو سامان تجارت خریدتا ہے اور کچھ اس مال سے نقل و حمل کے جانور خریدتا ہے تو سال گزرنے پر ان دونوں پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ امام محمد شیبانیؒ کی مشہور کتاب الجامع الکبیر کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

رجل دفع رجل مالا مضاربۃ فاشتریٰ ببعضہ طعاماً و بما بقی منہ حمولۃ للطعام ولا ینوی شیئاً اواشتریٰ ببعضہ رقیقاً و بما بقی طعاماً لھم وکسوۃ فحال الحول فعلی رب المال زکاۃ رأس مالہ و حصتہ من الربح۔ الجامع الکبیر ص ۲۱

ایک شخص نے دوسرے کو مضاربت پر کام کرنے کے لئے مال دیا اس نے اس مال کے کچھ حصّے سے غلہ خریدا اور کچھ حصے سے اس غلہ کے حمل و نقل کے لئے جانور خریدا اور اُس نے کوئی نیت نہیں کی۔ یا اس نے کچھ مال سے غلام خریدے اور کچھ مال سے ان کے کھانے پینے کا سامان اور پہننے کے کپڑے۔ سال گزرنے کے بعد مال والے پر اصل سرمائے اور اپنے حصہ کے منافع دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

اس مذکورہ عبارت سے آگے جو یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی مالک اپنے کچھ مال سے بغرض تجارت غلہ خریدے اور کچھ مال سے نقل و حمل کا جانور خریدے تو اس جانور پر زکوٰۃ نہ ہوگی تو اس کی وجہ دوسرے فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ چونکہ اس جانور کے متعلق یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ تجارت کے مال سے خریدا گیا ہو۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ تجارت کے لئے نہ خریدا گیا ہو بلکہ غیر تجارتی مال سے ذاتی استعمال کے لئے خریدا گیا ہو۔ لہذا تا وقتیکہ کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے

© rasailojaraid.com

کہ وہ تجارت کے لئے خریدا گیا ہے۔ اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ اگر وہ یقیناً تجارت کے لئے ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ ضرور ہوگی۔ بدائع الصنائع کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

المالك اذا اشترى عبيداً للتجارة	مالک نے تجارت کے لئے غلام خریدے پھر ان کے پہننے کے کپڑے
ثم اشترى لهم ثياباً للكسوة وطعاماً	اور کھانے کے لئے سامان خورد و نوش خریدا۔ تو یہ کپڑے اور
للنفقة فانه لا يكون للتجارة لان	سامان، تجارت کے لئے نہ ہوں گے کیونکہ مالک کو جس طرح
المالك كما يملك الشراء للتجارة	تجارت کے لئے خریدنے کا اختیار ہے اسی طرح اسے خرچہ
يملك الشراء للنفقة والبذلة وله ان	اور استعمال کے لئے بھی خریدنے کا اختیار ہے اور اسے حق
ينفق من مال التجارة وغير مال التجارة	پہنچتا ہے کہ مال تجارت میں سے خرچ کرے یا غیر مال
فلا يتعين للتجارة الا بدليل	تجارت سے خرچ کرے پس وہ تجارت کے لئے متعین نہ
زائد - ج ۲ - ص ۱۳	ہوں گے مگر کسی دلیل سے۔

اس کا صاف مطلب ہے کہ اگر دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ جانور وغیرہ مال تجارت سے خریدا گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ یہ دراصل ایک اصولی ضابطہ ہے جس کی رو سے بغیر کسی استثناء کے ان تمام چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے جو تجارت کے مال اور سرمائے سے خریدی گئی ہوں، وہ اجناس اور خام مواد کی شکل میں ہوں یا ان جانوروں ٹرکوں اور مشینوں کی شکل میں جن سے تجارت کے سلسلے میں کام لیا جاتا ہو۔

یہاں تک یہ جو چند اصولی تصوّرات کتب فقہ سے پیش کئے گئے ہیں اب ان کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ پر گہری نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ صنعت کاری اور کارخانے کے سرمائے اور کرائے کی خاص بلڈنگوں کے سرمائے پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے یا نہیں، آپ دیکھیں گے کہ حوائج اصلیہ سے متعلق جو اصولی تصوّر پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے یہ دونوں سرمائے حوائج اصلیہ کے تحت نہیں آتے، کیونکہ یہ نہ تو ذاتی استعمال کی چیزیں ہیں اور نہ ذاتی استعمال کی چیزوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ، کیونکہ ان سے غرض اور مقصود اپنی دولت کو بڑھانا اور اپنی تونگری اور دولت مندی میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ نامی کے متعلق جو اصولی تصوّر پیش کیا گیا ہے اس کے مطابق یہ دونوں سرمائے نامی کا مصداق ہیں۔ کیونکہ ان کو زیادتی اور بڑھوتری کے لئے ایسے طریقہ سے تیار کیا جاتا ہے جو ان میں زیادتی اور بڑھوتری کا باعث بنتا ہے۔ نیز تجارت کے معنے و مفہوم کی بابت جو اصولی تصوّر پیش کیا گیا ہے اس کی رُو سے یہ دونوں سرمائے، اموالِ تجارت کے زمرہ میں آجاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں بھی ربح اور نفع کی خاطر تصرّف اور لوٹ

© rasailojaraid.com

پھیر ہوتا ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کسی مال کے مال تجارت ہونے کے لئے نیت تجارت کا جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق کارخانوں کی مشینری اور کرائے کی خاص طرح کی جائیداد بغیر نیت کے مال تجارت میں آجاتی ہے۔ کیونکہ ذاتی استعمال کے لئے ہوتے کا ان میں سرے سے احتمال ہی نہیں۔ نیز اس قاعدے کی رو سے کہ مال تجارت سے جو سامان بھی خریدا جائے اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ کارخانوں کی مشینیں اور کرائے کی خاص بلڈنگیں مال زکوٰۃ میں آجاتی ہیں۔ جب حقیقت حال یہ ہے یعنی یہ کہ یہ دونوں سرمائے حوائج اصلیہ سے زائد اور مال تجارت ہونے کی وجہ سے نامی ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہو، جس طرح کہ اس قسم کے دوسرے اموال پر عائد ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں آجکل جو بڑے بڑے کارخانے مشترک سرمائے سے لگائے اور چلائے جاتے ہیں جن میں مثلاً پچاس فیصد سرمایہ ایک شخص یا خاندان کا ہوتا ہے جس کے نام سے وہ کارخانہ موسوم اور مشہور ہوتا ہے اور پچاس فیصد دوسرے بہت سے لوگوں کا حصص کی صورت میں ہوتا ہے اور منافع سرمائے کے تناسب سے ان سب کے درمیان تقسیم ہوتا ہے، علماء حضرات ایسے حصص کو خریدنا اور ان پر منافع لینا جائز بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ مضاربت ہے جو اسلام میں جائز ہے۔ ان کے اس فتوے کی رُو سے ایسے کارخانے کا تمام مال بمعہ مشینوں کے مالِ تجارت قرار پایا اور اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ہم نے امام محمدؒ کی کتاب الجامع الکبیر کی عبارت نقل کی ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ اگر مضارب، مالِ مضاربت کے کچھ حصّہ سے غلہ وغیرہ خریدتا ہے اور کچھ حصّہ سے حمل و نقل کے لئے جانور، تو سال گزرنے کے بعد اس سارے سرمائے پر زکوٰۃ ہوگی۔ لہٰذا اس اصل کے مطابق کارخانہ دار اپنے حصّہ داروں کے مال سے جو کچھ بھی خریدتا ہے، وہ خام مواد ہو یا مشینیں وغیرہ ہوں، وہ سب مال تجارت ہے اور سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔

اس کے ساتھ عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب تجارت میں لگے ہوئے تمام سرمائے پر اسی طرح سائمہ مویشیوں پر ہر سال اصل اور منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے تو کارخانہ داری کے کاروبار میں لگے ہوئے سرمائے پر بھی ہر سال اصل اور منافع دونوں پر زکوٰۃ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنی اصل ماہیت، روح اور غرض و غایت کے لحاظ سے ایک ہیں اور ان میں کوئی جوہری اور اساسی فرق نہیں۔ اگر تجارتی سرمائے میں اصل اور منافع دونوں پر ہر سال زکوٰۃ کا واجب ہونا ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے تو پھر کارخانہ داری کے سرمائے میں اصل اور منافع دونوں پر ہر سال زکوٰۃ کا واجب ہونا کیوں ظلم ہے۔ ہر ذی عقل اور سمجھ دار آدمی

اس پر سوچ کر فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھتا ہو۔

آخر میں مختصر طور پر ان دلائل کا ذکر کر دینا فائدے اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو فیکٹریوں اور کارخانوں کے مشینی سرمائے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ایک تو وہی حدیث ہے جس کے متعلق ہم گزشتہ مضمون میں تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں کہ اس کے مضمون کا زیر بحث مسئلہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث کے نام پر زیر بحث سرمائے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنا صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ وافترٰی باندھنا ہے العیاذ اللہ! دوسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ سرمایہ غیر نامی ہے اور اس میں کچھ بڑھوتری اور زیادتی واقعہ نہیں ہوتی بلکہ مشینیں گھسنے سے ان کی مجموعی مالیت میں کمی واقعہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہیں ہونی چاہیئے۔ اس دلیل سے ایک یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے پیش کرنے والے کے ذہن میں نامی کا لغوی مفہوم ہے فقہی اور اصطلاحی مفہوم نہیں ورنہ ایسی بات نہ کہتا، دوسرا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو کچھ پتہ نہیں کہ مالک کارخانہ سالانہ منافع سے مشینوں کی گھسائی کا عوض وصول کرتا ہے۔ وہ ایک درزی کی طرح اپنی مشین کی گھسائی کا خسارہ خود برداشت نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں ہر سال اس کے اصل سرمائے میں نمایاں بڑھوتری اور زیادتی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ چند سال بعد ایک دوسرا کارخانہ قائم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک عجیب دلیل یہ پیش فرمائی گئی ہے کہ آجکل جو کارخانے قائم کئے جاتے ہیں وہ بنکوں کے قرضوں سے قائم کئے جاتے ہیں اور ان کی پیداوار اور منافع سب بنکوں میں چلا جاتا ہے اور کسی وقت بھی مالکان کے پاس مصنوعات اور منافع کا ذخیرہ موجود نہیں رہتا۔ لہٰذا کارخانوں کی مشینوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہونی چاہیئے۔ اس دلیل کے متعلق یہ عرض کروں گا کہ یہ کارخانوں اور بنکوں کے کاروبار سے ناواقفیت پر مبنی ہے ان کو اتنا معلوم نہیں کہ کوئی بنک ہر شخص کو کارخانہ لگانے کے لئے قرضہ نہیں دیتا بلکہ ایسے شخص کو مثلاً پانچ لاکھ قرضہ دیتا ہے جو پندرہ لاکھ اپنا ملا کر بیس لاکھ کا کارخانہ قائم کرتا ہے اور پھر یہ مالک کارخانہ اس سے اتنا کماتا ہے کہ چند سال میں نہ صرف یہ کہ سب قرضہ ادا کر دیتا ہے بلکہ ایک دوسرا کارخانہ قائم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے کیا یہ واقعہ نہیں کہ پاکستان بننے پر جن لوگوں نے ایک کارخانہ لگایا تھا وہ آج کئی کئی کارخانوں کے مالک ہیں اور لاکھوں پتی سے کروڑوں پتی بن چکے ہیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کچھ ایسے کارخانے دار بھی ہیں، جن مسکینوں کی حالت زار آپ نے نہایت ہمدردانہ انداز سے بیان کی ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اصولاً کارخانوں کے سرمائے پر زکوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونی ہی نہیں چاہیئے۔ مثلاً اگر کچھ تاجر بنکوں کے قرضہ کے بل بوتہ پر تجارتی کاروبار کرتے ہیں اور ان کے منافع کا بڑا حصہ بطور سود بنکوں کے پاس پہنچ جاتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ اصلاً کسی تجارتی سرمائے پر زکوٰۃ نہ ہو۔ زکوٰۃ میں قرضہ کے احکام کی بالکل الگ بحث ہے، جو تفصیل کے ساتھ فقہاء نے لکھی ہے۔

اس سلسلے میں جو ایک نہایت غلط بات کہی گئی ہے وہ یہ کہ اگر کارخانوں کے مشینی سرمائے پر اور ان کے منافع پر زکوٰۃ لگائی جائے تو دوہری زکوٰۃ ہوگی۔ جس سے نہ صرف یہ کہ مالکان کارخانہ پر ظلم ہوگا بلکہ چند سال میں اصل سرمائے کا بھی استیصال ہو جائے گا اور کارخانے ناپید ہو جائیں۔ اس بات کے کہنے والے سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جو چودہ سو سال سے تجارت کے اصل سرمائے اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں پر زکوٰۃ رہی ہے اسی طرح سائمہ جانوروں پر ہر سال اصل اور ان سے پیدا شدہ زوائد دونوں پر زکوٰۃ عائد رہی ہے۔ کیا یہ دوہری زکوٰۃ نہ تھی۔ اور کیا دوہری ہونے کی وجہ سے آپ اس کو بھی ظلم کہیں گے اور کیا اس سے مسلمانوں کے ہاں سے تجارتی سرمائے اور تجارت کا استیصال ہو گیا اگر نہیں ہوا بلکہ اس کے باوجود وہ بڑھتا اور ترقی کرتا رہا تو دوہری زکوٰۃ سے صنعتی سرمائے اور صنعتوں کا استیصال کیسے ہو جائے گا اگر اس کے منافع کو کم از کم بیس فی صد ہی رکھا جائے تو اس میں سے ڈھائی فی صد نکلنے سے کیا کمی واقعہ ہو جائے گی۔ اس کو ظلم سے تعبیر کرنا سخت گمراہی کی بات ہے۔ اگر دوسرا کوئی ایسی بات کرے تو آپ کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ خدا کے لئے جو بات کریں اپنے دماغی توازن کو درست رکھتے ہوئے کریں ورنہ آپکے اس رویّے سے دین کو کچھ فائدہ پہنچنے کی بجائے الٹا نقصان پہنچے گا۔ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا کے مصداق بنیں گے اور ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا کی قرآنی تعلیم کو سامنے رکھیں اور دشمن کی بھی جو صحیح بات ہو اسے ماننے میں پس وپیش نہ کریں۔ ورنہ آپ کی بھی صحیح بات کو کوئی نہیں مانے گا۔